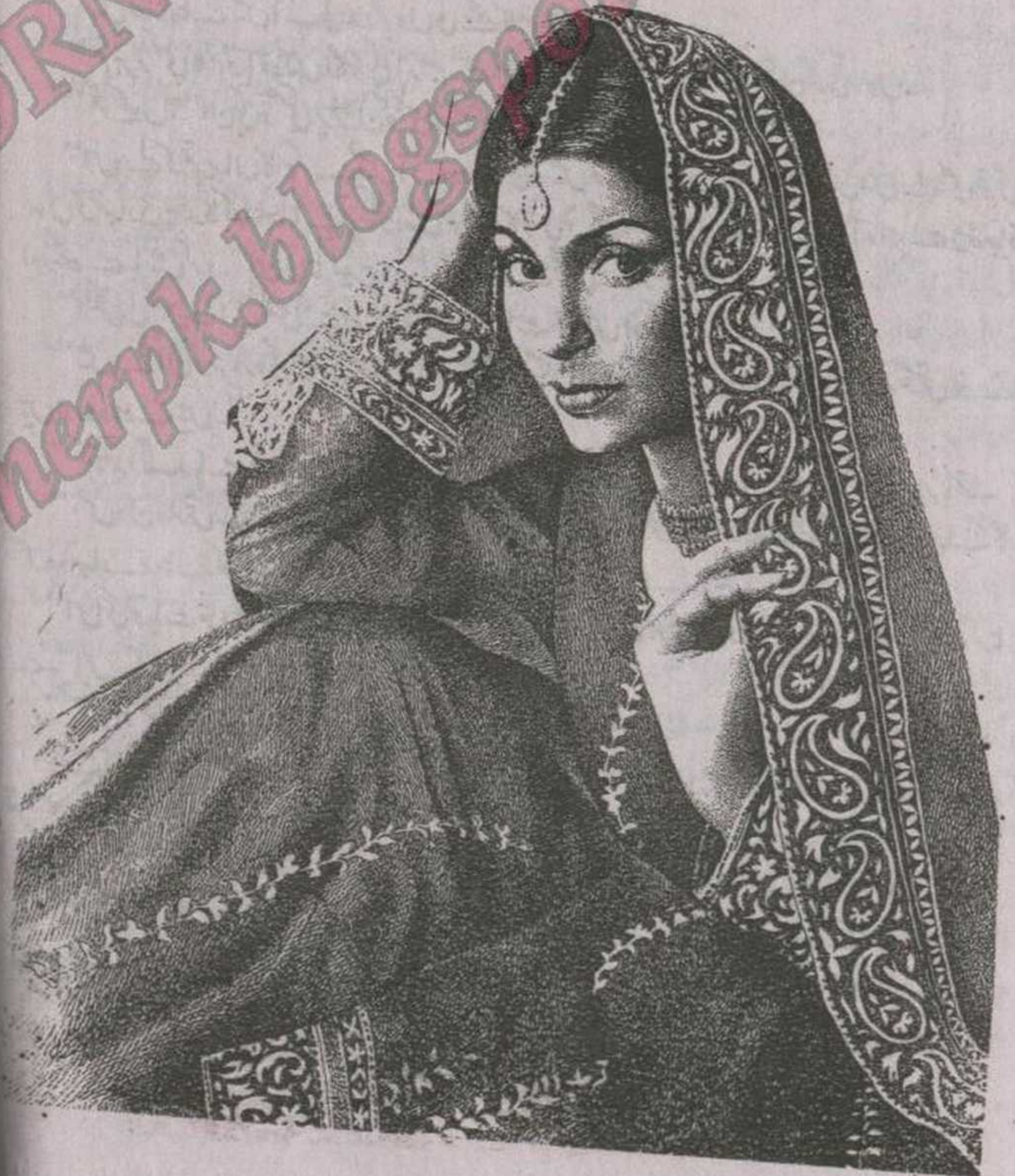


لوہی لکھنؤ

”تسخر رو کیوں رہی ہو؟“ عطرز کی جو میڈیکل سے کچھ دیر قبل ہی لوٹا تھا اسے زور و شور سے روتا بلکتا دیکھ کر اس کے کمرے میں داخل ہو کے وجہ دریافت کرنے لگا۔
”آپ کب آئے؟“ گھٹنوں سے سر اٹھائے تسخر رضائے گڑبڑا کر استفسار کیا تھا۔



”جب تم ارد گرد سے بے نیاز ہو کر رونے میں مگن تھیں میں اسی وقت آیا ہوں۔“ عطرز کی نے بنور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کین کی گرسی پر براجمان ہوتے ہوئے کہا تھا۔
”وہ..... امی نے مجھے ڈانٹا ہے۔“ تسخر بتاتے ہوئے پھر رونے لگی۔
”تو اس میں رونے کی کیا بات ہے پاگل میری مٹا بھی مجھے میری غلطیوں پر سرزنش کرتی ہیں۔“ عطرز کی نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

”عطر بھائی! آپ تو جانتے ہیں میری امی سوتیلی ہیں وہ ہمیشہ مجھے ڈانٹتی ہیں پرسوں تو انہوں نے میرے ہاتھ بھی جلانے تھے۔“ وہ اس کی ہمدردی پا کر مصومیت سے بتانے لگیں۔
”کیا؟“ عطرز کی کو صدمہ ہوا تھا۔

”دکھاؤ مجھے۔“ عطرز کی نے اپنائیت سے اس کے ہاتھ تھامے ماچس سے جلانے کے متعدد نشان دیکھ کر اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ اس کے سپید ہاتھوں کو نہایت بے دردی سے جلایا گیا تھا۔ عطرز کی نے ترحم بھری



نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
 وہ hsc کر چکی تھی مگر اس کی سوچ بالکل بچوں جیسی تھی۔ نرم و نازک اور نہایت فرمانبردار تھی وہ پھر بھی اس کی سوتیلی ماں کو اس پر ذرا بھی ترس نہیں آتا تھا وہ اس کی مظلومیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے اکثر تشدد کا نشانہ بنایا کرتی تھی۔ عاطر زکی کو شروع سے ہی تسخیر رضا سے ہمدردی تھی اور کب اس کی ہمدردی پسند میں بدل گئی، وہ یہ بتانے سے قاصر تھا۔ تسخیر اپنے امی ابو کے ساتھ پچھلے آٹھ سالوں سے عاطر زکی کے گھر ریٹ پر رہ رہی تھی۔
 ”تسخیر! تم نے اپنے ابو کو کیوں نہیں بتایا؟“ عاطر زکی نے تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔
 ”وہ.....! عاطر بھائی! امی نے کہا ہے کہ ابو کو بتاؤں گی تو میرا چہرہ جلادیں گی۔“ وہ ڈرتے ڈرتے بتانے لگی۔
 ”چندہ! اب امی ایسی حرکت کریں تو مجھے بتانا۔“ عاطر نے اپنائیت سے کہا تھا۔
 ”عاطر بھائی پھر وہ آپ کو جلادیں گی۔“ تسخیر نے اپنے ہاتھوں کو ٹھوڑی پر رکھتے ہوئے نہایت معصومیت سے کہا تھا۔
 ”نہیں جلائیں گی! اب تم پریشان نہ ہو اور اب مجھے لازمی بتانا۔“ وہ اسے تاکید کرنے لگا اور اپنے فرسٹ ایڈ بکس میں سے اونٹنامنٹ اسے تھما کر اپنے پورشن میں جانے کے لیے زینے طے کرنے لگا۔

☆.....☆

ناٹ بلب کی مدھم روشنی میں وہ بیڈ پر دراز تسخیر کے متعلق سوچنے لگا۔ اس میں اپنی عمر سے کم عقل تھی۔ بات بات پہ آنکھیں بھیگ جایا کرتی تھیں وہ اس سے تین سال چھوٹی تھی مگر وہ اسے چھوٹی بچی ہی لگتی تھی۔ کچھ وقت بیڈروم میں گزار کر وہ برآمدے میں آیا تو ماما اور تسخیر باتوں میں مصروف تھیں وہ اس کے پورشن میں آئی ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے برآمدے کے دوسری جانب کھن پر بیٹھ گیا ماما اور تسخیر اس کی موجودگی سے بے خبر تھیں۔
 ”چچی جان عاطر بھائی مجھے بے حد اچھے لگتے ہیں۔“ وہ مزے سے بتانے لگی۔
 ”کیوں بھی ایسا کیا ہے عاطر میں؟“ چچی جان (عاطر کی ماما) نے مسکراتے ہوئے استفسار کیا۔
 ”اوہو چچی جان! اتنے اچھے ہیں عاطر بھائی انہوں نے مجھے مرہم بھی دیا تھا امی نے جو میرا ہاتھ جلایا تھا اس پہ لگانے کے لیے امی جب بھی مجھے ڈانٹی یا مارتی ہیں وہ مجھے پچا لیتے ہیں بہت اچھے لگتے ہیں مجھے عاطر بھائی۔“ وہ دوبارہ چچی جان کو مزے سے بتانے لگی۔
 ”تسخیر! عاطر تمہیں اتنا ہی پسند ہے تو تم دونوں کی بات طے کر دوں؟“ ماما نے مذاق میں ہی اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔ وہ سرخ پڑ گئی اس کی نگاہ بے ساختہ مسکراتے عاطر پہ اٹھی تھی۔ وہ جھپاک سے زینے کی جانب بڑھی تھی اور اپنے پورشن میں چلی گئی۔ عاطر محبت بھری نظروں سے ماما کو دیکھنے لگا۔

☆.....☆

”چچی جان..... چچی جان کہاں ہیں آپ؟“ وہ پھولی ہوئی سانسوں کے ہمراہ چچی جان کے پورشن میں آئی تو وہ اسے نظر ہی نہیں آئیں بیڈروم میں آ کر اس نے انہیں متعدد بار پکارا تھا جب اس کی نگاہ بیڈ پر اونڈھے رکے ڈائجسٹ پر پڑی۔ وہ اسے اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگی۔ اسی وقت چچی جان تو لیے سے ہاتھوں خشک کرتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئیں۔
 ”کیا ہوا تسخیر بیٹا! تم اتنی آوازیں کیوں دے رہی تھیں؟“ چچی جان نے گھبرا کے استفسار کیا۔
 ”وہ چچی جان امی سو رہی ہیں تو میں چپکے سے آ گئی۔“ وہ بیڈ پر بیٹھ کر بتانے لگی۔ اس کی نگاہ ”ردا ڈائجسٹ“ پر

مرکز تھی۔

”چچی جان یہ کیا ہے؟“ اس نے ماہنامہ ”ردا“ کی جانب اشارہ کیا۔
 ”بیٹا یہ ڈائجسٹ ہے اسے پڑھنے سے شعور آتا ہے۔“ چچی جان صوفے پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئیں۔
 ”اچھا میں اسے لے جاؤں؟“ تسخیر نے اجازت طلب نظروں سے چچی کی طرف دیکھا تھا جو وائٹ چکن کے شلوار سوٹ میں بے حد گرلیں فل سی لگ رہی تھیں۔
 ”بیٹا یہ والا تو میں پڑھ رہی ہوں ایسے بہت سارے ہیں میرے پاس تم ان میں سے لے جاؤ۔“ انہوں نے ایک جانب اشارہ کیا اس نے تین شمارے اٹھائے سرورق نے اسے بے حد متاثر کیا تھا۔
 ”چچی جان جب میں اسے پڑھ لوں گی تو دے جاؤں گی۔“ تسخیر نے چچی جان کو دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”بیٹا دے جانا۔“ چچی جان نے اجازت دے دی اور وہ ڈائجسٹ لیے اپنے پورشن میں آ گئی۔ وہ دو ڈائجسٹ بیڈ کے نیچے چھپا چکی تھی۔
 ”اے لڑکی کیا کر رہی ہے؟“ وہ ورق گردانی میں اس قدر منہمک تھی کہ اندازہ ہی نہیں ہوا کب امی آ گئیں۔
 ”وہ..... وہ.....! میں پڑھ رہی ہوں۔“ اس نے ڈرتے ہوئے بتایا۔
 ”کیا پڑھ رہی ہے؟“ انوری بیگم نے ڈائجسٹ چھینتے ہوئے کہا۔
 ”یہ کیا ہے؟“ انوری بیگم نے اسے گھورا تھا۔

”یہ ڈائجسٹ ہے۔ امی اسے پڑھنے سے شعور آتا ہے۔“ وہ معصومیت سے بتانے لگی۔
 ”شعور آتا ہے؟ بڑی آئی شعور والی مجھے یہ سب سکھا رہی ہے؟ ابھی اس مومے ڈائجسٹ کو جلاتی ہوں۔“ وہ ڈائجسٹ لیے کھن کی جانب بڑھیں۔
 ”نہیں امی مت جلا میں اسے، آپ مجھے جلادیں مگر اسے نہیں۔“ وہ منت کرنے لگی اور ان کے ہاتھوں سے ”ردا“ لے لیا۔
 ”اب تو بدتمیزی پر اتر آئی ہے۔“ انہوں نے اس کے نرم و نازک گالوں پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔ ڈائجسٹ اس کے منہ پر مار کر تن ٹن کرتی اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

☆.....☆

”عاطر بھائی! آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟“ وہ بین تھامے نوٹس پر جھکا ہوا تھا جب ہی وہ اسٹڈی میں آ کر استفسار کرنے لگی۔
 ”میرے پیپر ہونے والے ہیں اسی کی تیاری کر رہا ہوں۔“ نوٹس سے نظریں اٹھا کر عاطر نے بتایا تھا۔ وہ لیسن دوپٹہ شرٹ اور وائٹ ٹراؤزر کے ہمراہ بے حد اچھی لگ رہی تھی۔ اس نے اس کے سر اپنے پر نگاہ ڈالی اور ٹھٹھک سا گیا۔

”تسخیر! تم نے تو بے حد اچھی ڈرائنگ کی ہوئی ہے۔“ عاطر سر اٹھا کر بے بناء نہ رہ سکا۔
 ”تھینک یو عاطر بھائی! آپ کو پتہ ہے ڈائجسٹ کی ایک کہانی میں ہیر وٹن نے ایسے کپڑے پہنے تھے مجھے بے حد اچھا لگا۔ امی نے مجھے یہ فکر لا کر دیا تو میں نے ویسے ہی بنا لیے اس پر امی نے مجھے بہت ڈانٹا۔ میں نے ایسے کیوں بنائے۔“ وہ منہ بنا کر بتانے لگی۔

”اچھا اپنا موزڈ خراب مت کرو ڈائجسٹ میں پڑھنا اور ایسے ہی ڈرائنگ کرنا۔“ وہ اسے مشورہ دینے لگا۔

کہنے لگیں وہ تو شکر تھا کہ چچی جان اسکول پر جانے لگی تھیں اور عطر زکی میڈیکل پر تھا۔

☆.....☆

”چچی جان ادیکسیں میں نے کیا سوٹ پہنا ہے؟“ وہ چچی جان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

”میری گڑیا بے حد پیاری لگ رہی ہے۔“ چچی جان نے بے حد پیار سے کہا وہ ستاروں سے بتایا ہوا کام کا سوٹ پہنے ہوئے تھی۔

”چچی جان میں نے خود اس سوٹ پہ کام کیا ہے۔“ وہ ہٹانے لگی۔ بلیک کاشن کے ڈریس پر پنک ستارے اور موتیوں کو اس نے بے حد مہارت سے ٹانگا تھا۔

”واقعی؟“ چچی جان نے حیرت سے استفسار کیا۔

”جی چچی جان۔“ اس نے کہا۔

”بے حد پیارا بتایا ہے تم نے اور ماشاء اللہ تم میں بھید سلیقہ آ گیا ہے۔“ چچی جان نے اسے بنو رو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”چچی جان! کتنا اچھا ہوتا اگر آپ میری امی ہوتیں آپ بہت اچھی ہیں۔“ وہ محبت سے کہنے لگی۔

”تم بھی بے حد اچھی ہو چننا اپنے نام کی طرح بے حد پیاری ہو۔“ چچی جان کہنے لگیں۔

”اچھا چچی جان میں جاری ہوں ورنہ امی ڈانٹیں گی۔“ وہ یہ کہہ کر زینہ طے کرنے لگی۔ چچی جان نے مسکراتے ہوئے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

وہ بچن کی جانب چائے بنانے کی غرض سے بڑھی تھی کہ انوری بیگم نے اسے حیران آنکھوں سے دیکھا تھا۔

”اے لڑکی ادھر آ۔“ وہ ٹیک اٹارتے ہوئے گویا ہوئیں۔

”یہ سوٹ تو نے کیا ہے؟“ وہ اس کے سر اگلے کو غور سے دیکھنے لگیں۔ وہ اسے گھر میں بند رکھنا چاہتی تھیں تاکہ وہ کچھ سمجھ نہ جائے خود کو بے اولاد تھیں اس کی خوشی انہیں ناگوار گزرتی تھی انہیں خیر کا سلیقہ ایک آکھ نہ بھایا تھا۔

”جا کر کپڑے بدل۔“ وہ اسے غور غور نظروں سے گھورتے ہوئے بولیں۔

”کیوں امی! کیا پچھانیں لگ رہا؟“ آنکھوں میں حیرت لے کر وہ مصمومیت سے گویا ہوئی۔

”میں نے کہا ناں جا کر کپڑے بدل کر آ۔“ بہت سوال جواب کرنا سیکھ گئی ہے چہرہ جلاؤں گی جب تیری عقل ٹھکانے پر آئے گی۔“ وہ اس کی پیٹھ پر تھوڑے سا تے ہوئے گویا ہوئیں۔

وہ جب کپڑے پہن کر آئی تو انوری بیگم نے اسے نظر آٹ کر ڈالا جو اس نے اسے دل سے سنا تھا وہ کس کر رہی تھی مگر وہی نہیں۔ انوری بیگم اس کے رونے کا انتظار کرنے لگیں اسے ڈلا کر ان کے دل کو سکون آتا تھا۔ اس کے نہ رونے کی وجہ سے وہ چپ آٹھیں اور بکتے بکتے اپنے کمرے میں گھس گھس گھس اور وہ چپ چاپ اپنے بیلے ہوئے کپڑوں کو دیکھنے لگی۔

☆.....☆

دن بیک رفتاری سے گزرتے تھے تھیں کے ایکڑا حرقہ بے لے آئے تھے۔

”عاطر بھائی! اب تو میرے پیچھے ہونے والے ہیں۔ میں کیسے پیچھے زدوں گی؟“ ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے اس نے پڑھاتے عطر زکی سے استفسار کیا تھا۔

”ٹھیک ہے عاطر بھائی۔“ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”عاطر بھائی! میرا دل کرتا ہے پڑھنے کا۔“ اس نے مصمومیت سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

”تم واقعی پڑھنا چاہتی ہو؟“ عاطر نے ٹوس بند کیے اور اپنی تمام تر توجہ اس کی جانب مبذول کر لی تھی۔

”جی میں پڑھنا چاہتی ہوں مگر یہ تو ناممکن ہے۔“ تسخیر نے کہا تھا۔

”کیونکہ ناممکن نہیں ہوتا اسے ممکن بنایا جاسکتا ہے۔“ عاطر نے کالی منوڑا بھینس اس کے چہرے پر مرکوز کی تھی۔

”پر کیسے ممکن ہے؟“ تسخیر رضائے اچھے ہوئے کہا تھا۔

”میرے ایک دوست کے والد گر کر کالج کے پرنسپل ہیں تم کہو تو میں تمہارا داخلہ وہاں کرادوں گا۔“ عاطر زکی نے تمام معلومات اس کے گوش گزار کیں۔

”عاطر بھائی! کالج چاؤں کی تو امی مجھے ماردیں گی۔“ اس نے نیم رضامندی سے کہا۔

”تمہاری امی کو پتا نہیں چلے گا میں انکل کو کہہ دوں گا کہ تم صرف پیچھے زدوں کی کالج میں جاؤ گی تمام آفس ورک میں کرادوں گا تمام پیچھے زدوں کی ذمہ داری میری ہوگی کتابیں میں تمہیں لادوں گا جب میں میڈیکل سے دوپہر میں کچھ تاہنگ میں آؤں گا تم کتابیں لے آنا میں پڑھاؤں گا باقی مضمون میں تم مہما سے مدد لے لیتا۔“

وہ تمام بیان بتاتے لگا۔

”عاطر بھائی! آپ بہت اچھے ہیں آپ نے تو منوں میں مسئلہ حل کر دیا۔“ وہ خوش ہو کر کہنے لگی۔

”اچھا تم چاؤں میں پڑھانی کرلوں اب سے تم بھی میری طرح پڑھانی کرنا۔“ وہ مسکرا کر گویا ہوا اور وہ خوش خوش اپنے پرشن میں آگئی۔

☆.....☆

وہ بے انتہا خوش تھی۔ اس کا کالج میں ایڈمیشن ہو گیا تھا۔ وہ اب بی کام پارٹ ون کی طالبہ تھی۔

”ادھر آ لڑکی ذرا میرے پیچھے دو بہت درد ہو رہا ہے جب تک زبان سے نہ کہوں بات تو سمجھ میں آتی نہیں ہے۔“ انوری بیگم اسے کپڑے پیچھے دیکھ کر درد سے کراہنے کی اداکاری کرنے لگیں۔

”اچھا امی۔“ وہ سلائی مشین سائیڈ پر کر کے ان کے پیچھے رہنے لگی۔ پاؤں دیواتے دیواتے ان کی نگاہ بے ساختہ اس کے ہاتھوں پر پڑتی تھی۔

”یہ تجھے مہندی کس نے لگائی؟“ انہوں نے اسے گھورتے ہوئے استفسار کیا۔

”امی میں نے خود لگائی ہے۔“ تسخیر انہیں اپنے ہاتھ دکھانے لگی۔

”اب لگائی ناں تو ہاتھ توڑ دوں گی“ تجھے مہندی لاکر کس نے دی؟“ انوری بیگم نے غضبناک آنکھوں سے اسے گھورا تھا۔

”امی! چچی جان لگا رہی تھیں تو میں نے آئی اور خود لگائی۔“ وہ ہٹانے لگی وہ دیکھ رہی تھیں سبھی رہنے والے تسخیر اب ان کی باتوں کا صحیح طرح سے جواب دیتی تھی۔

”منہ کیا ناں میں نے تجھے ان سماجی ماں بیلے میں نہ گھسا کر“ تجھے میری بات سمجھ نہیں آتی؟“ وہ بیخود اچکا کر استفسار کرنے لگیں۔

”آپ کو لگاؤں امی مہندی؟“ وہ استہزاء بھری نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

”یہ چلی والی حرکتیں تیری چچی جان پہ ہی بنتی ہیں تو یہ مگر ارمان ہیں کہ تم ہی نہیں ہوتے۔“ وہ غصے سے چکا کر استفسار کرنے لگیں۔

”تم پریشان نہ ہو بس پڑھائی کرو۔“ عاطر نے اسے بخور دیکھتے ہوئے کہا۔

”عاطر بھائی! اکی کو پتا نہ چلے ورنہ وہ او بیلا چا دیں گی۔“ وہ لیسوٹ میں سلتے سے دوپٹہ اوڑھے کہنے لگی۔ واقعی اس میں کافی حد تک رکھ رکھاؤ اور سلیقہ آگیا تھا۔ اس نے دل میں ”روا“ کا شکر یہ ادا کیا۔ عاطر خود بھی بے حد ڈی سیٹ پرستانی کا مالک تھا۔ 6 فٹ ہائٹ گندمی رنگت، ستواں ناک، ذہانت سے بھرپور کالی آنکھیں، کالے سیاہ بال اس کی کشادہ پیشانی کو چھوتے تھے بے حد جاذبِ نظر تھا۔ بہت سی لڑکیاں عاطر کی خواب کی محبتیں تھیں۔ وہ کراچی یونیورسٹی سے ایم بی اے کر رہا تھا۔ آف ہونے کے بعد وہ اپنے دوست کے والد کے میڈیکل اسٹور کو پناہ پورا دیتا تھا۔ عاطر کی ایم بی اے مکمل کرنے کے بعد تفسیر رضا کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ کیونکہ تفسیر نے اس کے دل میں بیس کر رکھا تھا۔ وہ کسی اور بیوی دنیا میں صوبایا ہوا تھا۔

”عاطر بھائی کہاں کھو گئے؟“ تفسیر نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرائے۔

”کہیں نہیں اچھا تم جاؤ جا کر سوالات حل کرو۔“ اس نے گڑبڑا کر کہا۔

”کل یہ تمام question حل کر کے مجھے چیک کروانا۔“ میکسٹری بجیکٹ میں مہما کی ہیلپ لے رہی ہوئی تھیں؟“ وہ unsolve سے تھمتے ہوئے گویا ہوا۔

”جی عاطر بھائی! جب امی باہر جاتی ہیں میں اس وقت جی جی جان سے بھی پڑھتی ہوں۔“ وہ اسے بتاتے لگی۔

☆.....☆

خلاف معمول آج انوری نیگم کا موز بھرتھا۔ وہ چارپائی پر بیٹھی بڑی بیمار تھی۔ عاطر کی جو کچھ دیر قبل ہی یونیورسٹی سے لوٹا تھا انہیں کام میں لگن دیکھ کر میں سلنے لگیں کی کسی پرما جان ہو گیا۔

”السلام علیکم خالہ جان! اکیس ہیں آپ؟“ کف نکلس نکالتے ہوئے وہ گویا ہوا۔

”وعلیکم السلام! خیریت، تم میری خیریت دریافت کر رہے ہو طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟“ بڑی کاٹختے ہاتھ روک کر انہوں نے ٹیک اُتار کر استفسار کیا۔

”خالہ جان! طبیعت تو ٹھیک ہے اور رہا خیریت دریافت کرنے کا سوال تو آپ مجھے نظری اہتمام آتی ہے آپ اس قدر کمر کے کاموں میں مصروف رہتی ہیں جب میں کھڑا ہوں آپ سے ملاقات ہی نہیں ہوتی ہے۔“ عاطر کی نے بات بتائی۔

”چل جانے دے مجھے مسکن لگا۔“ وہ دوبارہ بڑی بتاتے لگیں۔

”خالہ جان! مجھے ایک بات کرنی ہے۔“ عاطر کی نے انہیں بخور دیکھتے ہوئے کہا۔

”اب آئی ماں ملی تھیلے سے باہر وہی میں بولوں آخر تجھے میری خیریت پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟“

چل جو کہتا ہے کہ نہ زیادہ باتیں نہ تھنا۔“ وہ طنز لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

”خالہ میری پوچھو طبیعت خراب ہے آپ تو جانتی ہیں وہ دھڑکی مرینہ ہیں بلڈ پریشر بھی بے حد بڑھ چکا ہے۔“ وہ دونوں شادی شدہ بیٹیاں تو شہر سے باہر رہتی ہیں تفسیر سے انہیں بے حد درد ہے کی وہ ان کا دھیان رکھنے اگر آپ اجازت دیں تو وہ تفسیر کو کچھ دن کے لیے رکھنا چاہ رہی ہیں تو کہتو ہیں مگر کیا فائدہ اپنے کا ہوتا تو ضرور ہے ہاں۔“ تمام باتیں کہہ کر عاطر نے انوری نیگم کی طرف دیکھا تھا جو بری بری شکلیں بنا کر اسے گھور رہی تھیں۔

”تمہاری ماں کیوں نہیں چلی جائیں آخر کو بھلاؤج (بھابھی) ہیں ان کا فرض بنتا ہے۔“ وہ گویا ہوئیں۔

”مما تو چاہ رہی ہیں جانا مگر ان کے اسکول میں سچے زور ہے ہیں اور وہاں سے اسکول بہت دور پڑتا ہے۔“

آپ کی مرضی ہے آپ کی اجازت کے بغیر تفسیر جائے گی نہیں ویسے پوچھو کہہ رہی تھیں وہ رقم بھی دیں گی اچھا خالہ میں چلا ہوں۔“ وہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”مسن لڑکے اگر تمہاری پوچھو اتنی ہی بیمار ہیں تو لے جاؤ تفسیر یہاں کام کاج کی تو ہے نہیں مہینہ دو مہینہ جتنا رکھیں مجھے پرواہ نہیں ہے۔“ وہ بڑی کاٹھن لگا کر اٹھا۔ بچن کی جانب بڑھ گئیں جبکہ عاطر کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھری تھی۔

”اچھا ٹھیک ہے خالہ میں تفسیر کو آج ماما کے ساتھ پوچھو کے گھر بھیج دوں گا۔“ وہ یہ کہہ کر زینے کی جانب بڑھ گیا۔

کمرے میں بیٹھی تفسیر رضا اس کی بے حد مشکور تھی کیونکہ برسوں اس کے بی کام پارٹنر کے بھیہ زخموں سے ہونے والے تھے۔ اسی وجہ سے عاطر کی نے انوری نیگم سے تفسیر کو پوچھو کے رکھنے کی اجازت طلب کی تھی۔

تفسیر رضا عاطر کی کی پوچھو کے گھر رہ رہی تھی۔ عاطر کی پچھو بے حد اچھی تھیں وہ متحدہ پارٹنر جان کے گھر ان سے مل چکی تھی۔ اب تک میں اس کے بھیہ زتے۔ عاطر تمام بھیہ ز میں اسے کان چھوڑ آتا تھا اور بھیہ ختم ہونے کے بعد وہ اسے پوچھو کے گھر ڈراپ کر دیتا تھا۔

☆.....☆

آج موسم میں خشکی تھی۔ وہ بھیہ دے کر باہر آئی تو بیٹھ کی طرح عاطر کو کوا انتظار پایا۔

”عاطر بھائی آپ بے حد اچھے ہیں آپ میری اس قدر مدد کر رہے ہیں۔“ وہ اس کے پاس آ کر کہنے لگی۔

”میں چاہتا ہوں تم بے حد آگے جاؤ اپنی تمام خواہشیں پوری کرو۔“ وہ ہائیک پارنگ ایریا سے نکلتے ہوئے گویا ہوا۔

”اُس کس کریم کھاؤ گی؟“ عاطر نے استفسار کیا تفسیر نے اثبات میں مر بلایا تھا۔ وہ اس کے لیے پوپ کورن خریدنے لگا۔

”تم دو روز اور پوچھو کے گھر رہنا میں برسوں امی کو لینے بھیج دوں گا۔“ وہ اسے پاپ کورن تھمتے ہوئے کہنے لگا۔

”ویسے مجھے پاپ کورن بے حد پسند ہیں۔“ وہ اسے اشتیاق سے بتاتے لگی۔

”مجھے پتا ہے۔“ عاطر کی نے مسکراتے ہوئے کہا اور پاپ کورن ختم کرنے کے بعد وہ ہائیک اشارت کرنے لگا۔ عاطر کی کے ساتھ وہ ہائیک پر بھیہ ز کے سبب بیٹھی تھی اسے بے حد عجیب محسوس ہوتا اگر امی اسے عاطر کے ساتھ دیکھ لیں تو اسے جان سے مار دیتی۔ وہ یہ سوچ کر کانپ کر رہی تھی عاطر نے اسے پوچھو کے گھر چھوڑ کر میڈیکل کالجز کیا تھا۔

☆.....☆

دونوں کے بعد وہ جی جی جان کے گھر آکر آگئی۔ وہاں رہ کر اس نے بہت کچھ سیکھ لیا تھا۔ پوچھو بے حد سکھ خاتون تھیں اور ان کی کوئنگ بے حد اچھی تھی۔ وہ بچن میں کاموں میں مگن تھی۔ امی چارپائی پر بیٹھے اسے کام کرتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔

”لو کی ایک مینیہ بعد آئی ہے تو مجھے جاؤ جو نیچے دکھا رہی ہے؟“ انوری نیگم نے طنز سے لہجے میں کہا۔

”نہیں امی! آپ غلط سمجھ رہی ہیں اکی تو کوئی بات نہیں ہے۔“ تفسیر نے چائے کا پانی چو لے کر پوچھتے

ہوئے رسائیت سے جواب دیا۔
 ”اب میں غلط بھی سمجھنے لگی؟ تو مجھ سے زبان چلائے گی ان دونوں ہمدرد ماں بیٹے کی وجہ سے تو توتا ہوا ہو گئی ہے میں تو کب کا یہ کھر چھوڑ دوں مگر تیرے باپ کی اتنی آہنی کہاں ہے جو زیادہ کرایہ دے سکے وہ تو ماشرنی کا اللہ بھلا کرے جو اتنا کم کرایہ لیتی ہے۔ آٹھ سالوں سے میں یہاں رہ رہی ہوں اس کا فرض جتنا ہے ہمارے ساتھ رہائیت کرے بہرہ کوئی احسان ٹھوڑی کر رہی ہے۔“ انوری بیگم خود سے سوال جواب کرنے لگیں۔
 ”ای! آپ کا سردار ہوں؟“ وہ چائے گاہک چارپائی پر رکھتے ہوئے گویا ہوئی۔
 ”پوچھ کیوں رہی ہے تجھے ہر بات بتانی پڑے گی“ چائے گاہک نے کب متعل آئے کی۔ ”وہ اتنا اس پر شروع ہو چکی تھیں اور وہ ان کا سردار بنائے گی۔“
 جب وہ اشارے کر رہی تھی تو انوری بیگم کو محسن میں چارپائی پر بیٹھا ہوا پایا۔ وہ مسلسل پاؤں چلاتی اسے گھور رہی تھیں۔
 ”اتنے چمکے کپڑے تیرے پاس کہاں سے آئے؟“ وہ ناگواری سے استفسار کرتے لگیں۔
 ”ای! ایسا اور دو جوڑے عطر بھائی کی پھوپھو نے بنا کر دیئے ہیں، آپ کو دکھائے تو تھے۔“ وہ تالپے سے بال خشک کرتے ہوئے بتاتے لگی۔
 ”عطر کی پھوپھو تھیں یہ کچھ زیادہ ہی مہربان نہیں ہو سکیں جا کر الماری میں رکھا یہ تمام کپڑے پہنے نظر آئی تو آگ لگا دوں گی جو میں لا کروں وہی پہنا کر ورنہ انجام بہت برا ہوگا۔“ انوری بیگم اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے گویا ہوئیں۔
 ”ای! آپ کو میرے تمام اچھے کپڑے اس قدر برے کیوں لگتے ہیں؟“ تنخیر کے استفسار کرنے کی دہری تھی انوری بیگم نے اس کی نرم و نازک کلائی سروٹنے میں لہر بھی نہیں لگایا تھا۔
 ”اب اگر تو نے مجھ سے زبان چلائی تو زبان تنگ لوں گی۔“ وہ چھتر رسید کرتی وہ کمرے میں گھس گئیں۔
 وہ تنخیر لگا ہوں سے انہیں جانتا ہوا دیکھنے لگی اس وقت اسے اپنی ماں کی کسی شدت سے محسوس ہوئی تھی۔

☆.....☆

وہ آج شام کے ناشتے پر اہتمام کر رہی تھی اس نے فریج فرائزر، سینڈویچ اور کٹلس بنائے تھے۔ وہ یہ سب چنگی جان کو بھی دے آئی تھی جب وہ کمرے میں دسترخوان بچانے لگی تو انوری بیگم نے اسے سر تا پا بنور دیکھا تھا اس میں بے طرح سلیقہ آ جا رہا تھا۔ انہیں اس کا سلیقہ ایک آنکھ نہ بھایا۔
 ”ای! دسترخوان پر بیٹھیں میں چائے لے کر آتی ہوں۔“ وہ لوازمات لگاتی ای سے کہنے لگی۔
 ”کیا بنایا ہے تو نے لڑکی؟“ وہ کٹلس منہ ڈالتے ہوئے کہنے لگیں۔
 ”کٹلس بنائے ہیں ای پھوپھو نے مجھے سکھائے ہیں۔“ وہ چائے دسترخوان پر رکھ کر کہنے لگی۔
 ”ہو گئے تیرے چاؤ جو نچلے شروع بڑا ہی بیکار بنایا ہے تو نے یہ سوا کس۔“ وہ مزید اڑ کٹلس کھاتے تھرہ کرتی جاری تھیں۔ انہیں کٹلس بے حد پسند آئے تھے کہ وہ تو ہمیشہ اس کا دل جلاتا اپنا فرض سمجھتی تھیں۔ پلیٹ خالی کر کے ٹاول سے ہاتھ صاف کر کے وہ آنکھ کھڑی ہوئیں۔
 ”آئندہ یہ سب کیواس چیزیں بنائیں تو تیرا احشر بکاڑ دوں گی۔“ جسے باپ کی اتنی آہنی نہیں کہتو یہ نت نئے ڈھکوسلے کرتی پھرے۔ آلو تھم ہو جائیں گے تو تو لائے گی؟ کوئی کن تو تھم میں ہے نہیں کم از کم کھاتے شکاری ہی سیکھ لے۔“ وہ اسے گھورتی آگ بکول ہو رہی تھیں۔

”ای! اپنے گھر کے مالی حالات سے میں باخبر ہی واقف ہوں اور اسے مد نظر رکھتے ہوئے تمام چیزیں استعمال کرتی ہوں آپ اس معاملے میں بالکل بے فکر ہیں۔“ چائے کا گھونٹ بھرتی تنخیر وضائے رسائیت سے جواب دیا تھا۔
 ”اب تو زبان چلائے گی؟ ہر سوال کا جواب دینا سیکھ گئی ہے؟ اگر یہ تمام چو نچلے کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو اپنے سوال جا کر کرنا انوری کے گھر میں یہ سب ڈرامے نہیں چلیں گے۔“ وہ اسے ایک چھتر رسید کرنے کے ساتھ ساتھ چھتر پر ایک زوردار دھموکا جڑ کے پتی چھلکی کر کے سے لکل گئیں۔
 ”یہ گھر تو چنگی جان کا ہے۔“ آنسو صاف کرتے وہ یہ سوچ کے مسکرا دی۔

☆.....☆

”انوری شادی میں چلو گی ناں؟“ وہ چارپائی پر بیٹھی ای کے پاؤں دبا رہی تھی۔ جب ہی چنگی جان کمرے میں داخل ہوئیں۔
 ”نہیں آپ! بھلا میں کیسے چاؤں گی میرے پیروں میں بے تحاشہ تکلیف ہے۔ اب اسے ہی دیکھو جب تک زبان سے نہ کہو پاؤں ہاتھ دپائی نہیں۔ ایک دم ٹھکی ہے۔“ وہ تنخیر کو آنکھیں دکھاتے بے بسی کی تصویر بنے گویا ہوئیں۔
 ”اچھا تم نہ چاؤ تنخیر کو بھیج دو اس کا بھی تھوڑا دل بہل جائے گا۔ سارا سارا دن گھر میں رہتی ہے اور عطر بھی جا رہا ہے کون سا بہت دور شادی ہے ٹھکی شادی ہے۔“ چنگی جان محبت بھرے لہجے میں کہنے لگیں۔
 ”آپ! کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو تنخیر کو تو میں بھیج دوں مگر ایسی ہانڈی چڑھانی ہے۔“ انوری بیگم اسے روکنے کی سعی کرنے لگیں۔
 ”ای! اگلا تو میں نے بنالیا ہے۔“ تنخیر نے مصحومیت سے جواب دیا۔ انوری بیگم اسے آنکھیں دکھانے لگیں۔
 ”تنخیر جیٹا جاؤ جا کر تیار ہو جاؤ ایک گھنٹے میں نکلے ہیں۔“ چنگی جان اسے ہدایت دیتی کمرے سے نکل گئیں۔ انوری بیگم نے نہایت عجلت میں آ کر اسے چارپائی سے دھکا دے دیا۔
 ”تیری اتنی حال تو مجھے جھٹلائے گی؟ تیری اتنی محنت کیسے ہوئی۔ آج میں تیری جان لے لوں گی۔“ وہ دروازے کی طرح اس پر چھٹی تھیں۔ چارپائی سے گرنے کے سبب اس کی کافی چوڑیاں ٹوٹ گئیں۔ اس کی نیلی آنکھیں پھٹنے لگی۔
 ”ای! اور ای وقت میری نظروں کے سامنے سے دھج ہو جاوڑو تو آج میرے ہاتھوں قتل ہو جائے گی۔“ وہ سٹائی سے کہنی مسلسل اسے پیٹ رہی تھیں۔ تنخیر بھاگ کر دوسرے کمرے میں بند ہو گئی آنسو تھے کہ تنخیر ہی نہیں رہے تھے۔ خون آلود ہاتھوں کو صاف کرتے وہ الماری کی طرف بڑھی جی مگر جانے وہ کونسا جذبہ تھا جس کے تحت وہ شادی میں جانے کے لیے تیار ہونے لگی۔ وہ تیار ہو چکی تھی۔ لیٹر کرین رنگ اس پر خوب سج رہا تھا۔ ہلکے پھلکے میک اپ اور سلیقے سے بال بنائے سوگوار حسن کے ساتھ وہ نظر لگ جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔
 ”ناشا اللہ بے حد چارپائی لگ رہی ہو۔“ چنگی جان اسے پیار کرتے کہنے لگیں اور عطر بھی سرائتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ ہیکل پیٹنٹ اور سی گرین شرٹ ڈائی لگائے بے حد خوبصورت لگ رہا تھا۔
 ”چلو جیٹا!“ چنگی جان اسے ہمراہ لے آئے سٹے لگیں۔ انوری بیگم مسلسل اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھیں۔ انہیں لگا تھا تنخیر نہیں جانے کی مگر ان کی منطق کو بے حد دہشت ہوئی تھی اسے اتنے اچھے کپڑوں میں

ملیوں دیکھ کر ان کا خون کھول اٹھا تھا۔ پورے فنکشن میں تحفہ کا موڈ بے تحاشہ آف تھا۔

”کیا ہوا تحفہ اس قدر اچھا سیٹ کیوں ہوا؟“ عاطر اس کے سامنے سیٹ پر براہِ جان ہوتے ہوئے گویا ہوا۔
 عطرز کی کے پوچھنے کی دیر بھی اس کی نیلی آنکھوں سے شپ شپ آنسو گرنے لگے۔ عاطر پریشان ہوا تھا۔
 ”تحفہ ایسے نہیں کرتے تم تو بے حد مضبوط ہو گئیں میں ناں پھر بچوں کی طرح رری ایکٹ تو نہ کرو۔“ عطرز کی نے اسے سمجھانے کی سعی کی اس محسوس کو سمجھانے کے لیے عطرز کی کے پاس الفاظ ختم ہو جایا کرتے تھے۔ وہ خود کو بے اختیار بے بس محسوس کیا کرتا تھا۔

”کچھ نہیں عاطر بھائی ایسے ہی رونا آ گیا تھا۔“ وہ دروازے سے آنسو صاف کرتے کرتے بات آئی مٹی کرنے لگی۔ عاطر کو علم تھا کوئی وجہ تو ضرور ہے مگر وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ فنکشن ختم ہونے کے بعد وہ چچی جان اور عطرز کی کے ہمراہ کھڑا آئی۔
 انہیں آئے کچھ وقت ہی ہوا تھا چچی جان اور عاطر بھی اپنے پورشن میں جا چکے تھے جبکہ وہ دانش حسن پہ کھڑی منہ دھوری تھی جب ہی انوری بیگم نے اس کے ریشمی بالوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔
 ”امی آپ کیا کر رہی ہیں؟“ اپنے بال ان کے گھٹنے سے چمڑانے کی تنگ دودھ کر دیتی وہ کہنے لگی۔
 ”تیری اپنی خیال تو اپنے ہمدردوں کے ساتھ شادی میں چلی گئی۔ میں نے بات بتائی تو مجھے جھٹلادیا۔ رک میں تجھے بتاتی ہوں۔“ وہ اسے بری طرح سینٹھ لگیں۔

”امی! چھوڑیں مجھے شادی میں گئی آپ کا تھما کیوں لگ رہا ہے؟“ وہ بالوں کو آزاد کرانے ہی استغفار کرنے لگی۔ ابوائٹ جاب میں گئے ہوئے تھے اس لیے آج انوری بیگم کی سن مایاں مروج پر جس مردہ یہ بات فراموش کیے ہوئے تھیں کہ گھر میں دو دروازے بھی موجود ہیں۔ شوہر کی آواز سے چچی جان اور عاطر بھی نیچے آ گئے تھے۔
 ”انوری! اپنی کچھوڑ دو۔“ چچی جان نے تیز آواز میں کہا تھا۔
 ”آپا تم یہاں سے چلی جاؤ میرے منہ نہ لگو۔“ وہ خوشخوار لہجے میں کہتی اسے ماری تھیں۔
 ”خالی! تحفہ کچھوڑ دیں ورنہ بہت برا ہو جائے گا۔“ عطرز کی نے تحفہ کو ان کی گرفت سے آزاد کرانے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

”تو کون ہوتا ہے جتنا تک بھر کا لڑکا مجھے اچھا اور براتا ہے گا؟ تم دونوں ماں بیٹے نے ہی اسے بگاڑا ہے۔“ وہ خشکیں لگا ہوں سے کھورتی چلائے جا رہی تھیں۔
 ”ہم نے تمہاری نیکی کو بگاڑا ہے تو چھوڑ کیوں نہیں دیتی۔ کھر کہیں اور جا کر رہو۔“ چچی جان تپ اٹھیں وہ کتنی جھکتی کمرے میں گھس گئیں۔ چچی جان نے اسے خود سے لگا کے تسلی دی۔ عاطر نے اس کے زخموں پر مرہم رکھنے لگا۔ عاطر نے تحفہ کو اس حال میں دیکھا بہت مشکل ہو رہا تھا وہ خود پہ جبکہ اسے اس کو سمجھا رہا تھا۔ اس مظلوم لڑکی سے اسے بے تحاشہ محبت تھی جاب ملنے ہی وہ اسے اپنا لیتا اس نے کئی جگہ اپلائی کیا ہوا تھا۔

☆.....☆

آج موسم کافی خوشگوار تھا۔ ناشتے کے برتن دھو کر وہ دروازہ بجٹ پڑھنے میں مگن تھی۔ جب ہی امی کی بلانے باغک آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرانی تھی وہ دھڑکی۔
 ”میش تو جی کرنا ماسٹرنی نے اپنے جیسے پھمن (طریقے) تو تجھے سکھائی دیے ہیں مگر پھمنی من مانی کرنی ہے پڑھ پڑھ کہ خراب تو ہوتی جا رہی ہے۔“ وہ ہمیشہ امی باتیں کرنے کی عادی تھیں۔ وہ اس کے حسین سراپے پر

ڈانکی کھدی جس جھروں کمر کا ڈریس زیب تن کیا ان کا دل جاری تھی۔
 ”میں ذرا بھائی کی طرف جا رہی ہوں تجھے تو نہیں ہوگی نہیں کٹائی کا حال ہی پوچھ لے۔“ وہ مسلسل اس کو کھورتی ہوئی کھدی تھیں۔

”امی! ابھی ایک صفحہ پہلے تو تانی امی آئی تھیں جب بھی وہ آتی ہیں جتنا مجھ سے ہوتا ہے میں کرتی تو ہوں۔“ وہ ڈا بجٹ شو کس پردے کھٹے ہوئے کہنے لگی۔
 ”چل چل رہے دے تو نہیں کرے گی تو تیرا باپ کرے گا۔“ وہ نئی بلیو چادر کو کانوں کے پیچھے ازستی ہوئی گویا ہوئیں۔

”چل میں جا رہی ہوں ہاڑی چڑھا لیتا۔“ وہ حکم صادر کیے جانے لگیں۔
 ”امی جلدی آئے گا۔“ وہ دروازہ بند کرتے ہوئے بولی۔

”ہاں تو کیا میں دو گھڑی وہاں غمروں بھی ناچو تو مجھے جلدی آنے کا کھدی ہے؟ جب دل کرے گا آؤں گی“ دماغ خراب نہ کر۔“ اسے صلواتیں سنائی باہر نکل گئیں جبکہ وہ کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☆.....☆

آج ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ گھر میں آرام کر رہے تھے۔ آج جاب سے انہوں نے پھمنی کر لی تھی۔ انوری بیگم نے شروع سے ہی رضا صاحب اور تحفہ کے درمیان ایک قاصد روکا تھا جسے پانے کی تحفہ نے بہت کوشش کی تھی۔ ایک تو رضا صاحب کا رشتہ فیکٹری میں جاب کرتے تھے اکثر ٹائٹ میں کام کرتے تھے۔ تحفہ سے ان کی ملاقات بے حد کم ہوتی تھی۔ وہ تحفہ اس کا حال پوچھ لیا کرتے تھے اور وہ ٹھیک ہوں کہہ دیا کرتی تھی اسے لگتا تھا وہاں کے ساتھ ساتھ باپ کو بھی کوہنیں ہے۔

ابو آرام کر رہے تھے انوری تھیں۔ وہ سوپ لے کر کمرے میں پہنچی تو ابو لیٹے ہوئے تھے اسے دیکھ کر وہ بیڈ سے لپک لگا کر بیٹھ گئے۔ وہ تحفہ کو کہہ رہے تھے۔ ”سوپ“ وہ سوپ انہیں تھمائی کہنے لگی۔
 ”رکھ دو بیٹا۔“ وہ سوپ سائڈ پر رکھ کر جانے لگی۔

”بیٹا کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟“ اسے گم سم سے جاتے دیکھ کر وہ اداسی سے بولے۔
 ”نہیں ابو! آپ کسی باتیں کر رہے ہیں؟“ وہ ان کا ہاتھ تھامے ہوئے گویا ہوئی۔

”مجھے معاف کر دینا بیٹا دل میں کوئی مسئلہ نہ رکھنا“ انہیں محبت تو بھی دے نہ۔ کام میں نے صرف تمہاری خاطر ہی دوسری شادی کی تھی۔ مجھے کیا علم تھا کہ میرا دوسرا انتاب اتنا ظلم ہوگا۔ انوری نے تم پہ بے طرح مظالم کیے ہیں اس میں چالاک غور تو کیجئے گی نہیں کہہ سکتا اس نے میرے بیٹوں پہ قہر بھرا کھا ہے۔ میں مجبور ہوں لڑیا میں معافی کے قابل تو نہیں ہوں پھر بھی ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔“ رضا صاحب اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑے دوڑے تھے۔

”ابو! ایسے مت کہیے مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔“ اس نے ان کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو تھام کر آنکھوں سے لگا لیا تھا۔

”اللہ سے یہی دعا ہے کہ مجھے اتنی زندگی دے کہ میں تمہارے فرض سے سبکدوش ہو کر سکون سے مر سکوں“ جتنا تمہاری ماں کی روح بے حد مضطرب ہوئی۔ آپا نے مجھ سے بات کی ہے عاطر کو جاب ملنے ہی میں تمہیں رخصت کر دوں گا۔ تم خوش رہو گی تو میں خوش ہو جاؤں گا۔“ وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر رہے تھے۔ وہ خاموش

یہی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ ابو نے شاید زندگی میں پہلی بار اس سے اتنی طویل گفتگو کی تھی اس کے آنسو مسلسل اس کے رخسار پر بہہ رہے تھے۔
 ”نہیں میری بیٹی اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔“ اسے خود سے لگائے مسلسل آواز دہرائی کر رہے تھے۔ خیر مسلسل رونے جارہی تھی۔
 ”ابو تم رو میں پلینے۔“ وہ ان کے آنسو صاف کرتے انہیں سوپ پلانے لگی۔ بیٹی کی محسوس صورت دیکھ کر رضا حسن ایک بار پھر رو پڑے۔

دو دن گھر میں گزار کر ابو کچھ بہتر ہوئے تھے۔ ان دونوں میں تفسیر نے ان کا بے حد خیال رکھا تھا۔ وہ حیران تھی کہ چچی جان نے اسے عطر ڈک کے لیے مانگا ہے۔ اسی اس بات سے بے خبر تھیں۔ اسی نے ان دونوں میں ابو کو خوب صلواتیں سنائی تھیں۔ ان کے دونوں جاب پر نہ جانے سے وہ تپتی ہوئی تھیں۔ اس وجہ سے رضا حسن بہت متوجہ کر کے تیسرے دن جاب پر گئے تھے۔ خیر نے منع بھی کیا تھا۔ ”ابو ابھی جاب پر نہ جا میں پہلے طبیعت تو ٹھیک ہو جائے۔“ جس پر انوری نیگم نے اسے خوب ڈانٹا تھا۔ رضا حسن چپکلی بھی ہنس کر اسے ساتھ لگے جاب پر جا چکے تھے۔ نہ جانے اسے اتنا رونا کیوں آ رہا تھا۔ اپنے باپ کی بے بسی اپنی بے قدری۔ وہ بے پناہ روتی تھی۔ یہ کیا شوخیت پھیلا رہی ہے تو نے جو صبح سے آنسو بہا رہی ہے۔“ اسے مستقل رونا دیکھ کر انوری نیگم نے اسے زوردار دھموکا بڑا تھا وہ کراہ کر رہ گئی جب ہی دروازے پر تپیل ہونے لگی۔

”تو روتی مرنی رو۔“ اسے دھکا دے کر وہ دروازہ کھولنے لگیں۔ جب ہی فاروق صاحب، مصطفیٰ اکل (ابو کے کولیکٹر) نمودار ہوئے۔ وہ ایبوسینس سے اترے تھے۔ وہ بھی دروازے پر پہنچی تھی۔
 ”بھائی! آفس کے قریب ہی رضا کا ایکسٹنٹ ہو گیا تھا۔ ڈالر نے بری طرح اسے کھل ڈالا۔ اسی وقت رضا خالق حقیقی سے جا ملا۔ ڈاکٹر نے موت کی تصدیق کر دی ہے۔“
 فاروق صاحب کہہ رہے تھے جبکہ ان کی ڈیٹ باڈی گھر میں آ رہی تھی یہ الفاظ تھے یا ہم جو اس کی ساتھیوں پر گرے تھے۔ وہ اسی وقت گر کر بے ہوش ہو گئی۔ جبکہ انوری نیگم سکتے کی کیفیت میں تھیں۔ ایبوسینس دیکھ کر اکل محلہ جمع ہو چکے تھے۔ سب نے عطر ڈک اور چچی جان کو بھی اطلاع دے دی تھی۔ خیر مستقل رو رہی تھی۔
 ”تو بے ہی متخوس ایبلے اپنی ماں کو کھائی اب باپ کو بھی کھائی۔“ انوری نیگم موت کے گھر میں بھی اسے مارنے سے باز نہیں آئی تھیں۔ تدفین کی تیاری عطر ڈک نے خود کی تھی۔ ابو کا آخری دیدار کرتے وہ چار پائی پکڑ کر مسلسل آواز دہرائی کر رہی تھی۔ تپ رہی تھی باپ کی محبت ملے اسے تین دنوں کا ہی تو عرصہ ہوا تھا اور وہ بھی چمن گیا وہ بین کر رہی تھیں۔

”ابو! امی کے بعد آپ بھی مجھے چھوڑ گئے۔ اب اب تو میرا کوئی بھی نہیں رہا ابو مجھے بھی اپنے پاس بلا لیں میرا تو اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے کوئی بھی نہیں ہے۔“ وہ چار پائی پر سر پہنچی دو ہانڈہ رو رہی تھی۔ اس کے اس طرح رونے سے ہر آنکھ اٹھ رہی۔ چچی جان اسے سنبھالنے کی سعی میں پکڑاں ہوئی جارہی تھیں۔
 ”خیر ایسے نہیں کرتے۔“ چار پائی کے پاس سے بناتے چچی جان خود بھی رو رہی تھیں۔
 ”مت لے جاؤ میرے ابو کو عطر بھائی میرے ابو کو مت لے جائیں۔“ وہ اس کا بازو پکڑنے سے بے رحمی سے چھوڑ رہی تھی۔ عطر کا شہید بھی اس کی ایسی حالت دیکھ کر جواب دینے لگا تھا۔ بہت منظر ہونے سے اس نے تدفین کا کام انجام دیا تھا۔ انوری نیگم خاموشی سے تمام کارروائی دیکھتی رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو کا ایک قطرہ نہیں گرا

تھا۔ مدت کرنے کی انہوں نے کوئی رحمت گھارائی تھی اہل محلہ رشتہ دار کے ساتھ ساتھ چچی جان بھی حیران تھیں جبکہ خیر کی تو دنیا ہی بدل گئی تھی۔ ابو کی وفات کو کافی عرصہ گزر چکا تھا مگر خیر اب تک اس حادثے سے نکل نہیں پائی تھی۔

☆.....☆

ای نانی کے گھر گئی ہوئی تھیں۔ وہ کچن میں کھانا پکانے میں مصروف تھی۔ سفید رو پٹہ خوبصورتی سے اوڑھے وہ بے حد اچھی لگ رہی تھی۔ عطر جو کچھ دیر قبل ہی یونیورسٹی سے آیا تھا اسے دیکھ کر کھٹک گیا۔ وہ کام میں مگن تھی۔
 ”خیر!“ وہ وال میں گھبرا رہی تھی جب ہی عطر ڈک کی آواز اس کی ساتھیوں سے گھرائی۔
 ”کئی۔“ چچی کو ڈھانپ کر وہ مڑی تھی۔ وہ کچن کے دروازے میں ایسا وہ تھا۔ ڈانٹ شلو اور سوٹ میں اپنے حد خوب رنگ رہا تھا۔ خیر نے بے ساختہ نظریں چرائی تھیں۔
 ”مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“ وہ کہنے لگا۔

”اچھا کچن میں چلے ہیں۔“ وہ کہتے ہوئے عطر ڈک کے پیچھے چلنے لگی۔ وہ کین کی کرسی پر براہیمان ہو چکا تھا۔
 خیر بھی دوسری کرسی تنگ کے عطر سے قاصطے میں بیٹھ چکی تھی۔ عطر ڈک یونوراسے دیکھ رہا تھا۔
 ”کہیے کیا کہنا ہے؟“ ماتھے پر آئے سینے کو دوپٹے سے صاف کرتی وہ کہنے لگی۔
 ”خیر زندگی میں بہت سے حادثات رونما ہوتے ہیں جن حادثات کا تصور ہم خوابوں خیالوں میں بھی نہیں کر سکتے۔ ان حادثات کا سامنا نہ چاہے ہوئے بھی ہمیں کرنا پڑتا ہے۔ زندگی اسی کا نام ہے کسی کے چلے جانے سے ہمیں ایسا لگتا ہے کہ سب کچھ بدل گیا ہے مگر ایسا بالکل بھی نہیں ہوتا۔ کسی کے چلے جانے سے بہت کچھ تو بدل جاتا ہے مگر سب کچھ نہیں بدلتا۔ میں جانتا ہوں اکل کے چلے جانے سے تمہیں کس قدر تکلیف پہنچی ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ تم اپنی تکلیف یوں عیاں کرتی پھر وہ بھی تمہاری خودی زندگی باقی ہے۔ تمہیں بہت آگے جانا ہے یوں اس رو کر تم اپنے انوکھی روح کو کیڑا کر تکلیف پہنچا رہی ہو تمہیں ایسے دیکھ کر کیا ان کی روح مضطرب نہیں ہو رہی ہوگی؟“ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے سے بھرا ہوا تھا۔ وہ کم عمری بیٹی تھی اسے آنسو اترے اس کے گھائی رخسار پر بہہ رہے تھے۔

”خیر! اب تم نے نہیں رونا“ ایگزاجرے حد نزدیک ہیں اور مسلسل 3 مہینے سے تم نے کتا ہیں بھی نہیں کھولی ہیں۔ کل سے تم اسٹوڈی کرتی نظر آؤ۔“
 عطر ڈک کا دل چاہ رہا تھا وہ اس کے تمام دکھ جن کے اس کے سر پر نری سے ہاتھ رکھتے وہ اسے سمجھا کر چاچکا تھا۔ خیر اسے جانا ہوا دیکھنے لگی۔

☆.....☆

ای صبح سویرے ہی نانی کے گھر چلی جایا کرتی تھیں۔ وہ اپنے تمام کام سمیٹ چکی تھی۔ چچی جان اسکول میں تھیں جبکہ عطر ڈک کی یونیورسٹی سے واپس نہیں ہوئی تھی۔ وہ چچی جان کے پورشن کی طرف چل دی۔ ان کے کچن سے کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو پورے گھر میں پھیل گئی تھی۔
 ”السلام علیکم چچی جان!“ دروازہ کھولتے ہی اس نے سلام کیا تھا۔
 ”و علیکم السلام بیٹا!“ چچی جان نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے خوش دلی سے جواب دیا۔ اس کے سر پر محبت سے ہاتھ چیرتی وہ اوپر جا چکی تھیں۔ خیر نے تو ان کے پورشن کا علیحدہ علیحدہ دیا تھا۔ وہ فریٹس ہو کر کچن کی

جانب کھانا پکانے کی غرض سے بیڑ میں تو کھانا پکا ہوا دیکھ کر انہیں خوشگوار حیرت ہوئی۔

”تغیر آگم نے تو کمال کر دیا۔“ چچی جان اسے اوپر آنا دیکھ کر کہا نہیں۔

”چچی جان آپ کا چھانگا؟“ کتاب میں میز پر رکھ کر وہ استفسار کرنے لگی۔

”ہے جی ہاں۔“ وہ اسے خود سے لگاتے ہوئے کہنے لگیں اسی وقت عاطر بھی یونیورسٹی سے آ گیا۔

”اوہ مگر کاشف ہی بدلا ہوا ہے۔“ تغیر کے ہاتھوں سے پانی کا گلاس لیے ارد گرد نظر ڈالتا ہوا وہ بے ساختہ کہنے لگا۔

”کیوں نہ ہو میری تغیر نے جو کیا ہے۔“ چچی جان پر مسرت لہجے میں کہنے لگیں۔ وہ مسکراتی دکھائی دے رہی تھی۔

”معاذ تو آپ نے آج بے حد شاعرانہ اور یونیک بنایا ہے۔“ عربی پکٹن پلاؤ اسپون میں ڈالتے ہوئے وہ

کہنے لگا۔

”جی ہاں! تغیر نے بنایا ہے۔“ وہی بوٹی منہ میں ڈالتے ہوئے وہ گویا ہوئیں۔ وہ مرا ہے بنانا نہ سکا۔ تغیر خاموشی سے لچک کرنے لگی۔

”جی ہاں! تغیر نے بنایا ہے۔“ وہی بوٹی منہ میں ڈالتے ہوئے وہ گویا ہوئیں۔ وہ مرا ہے بنانا نہ سکا۔ تغیر خاموشی سے لچک کرنے لگی۔

”جی ہاں! تغیر نے بنایا ہے۔“ وہی بوٹی منہ میں ڈالتے ہوئے وہ گویا ہوئیں۔ وہ مرا ہے بنانا نہ سکا۔ تغیر خاموشی سے لچک کرنے لگی۔

”جی ہاں! تغیر نے بنایا ہے۔“ وہی بوٹی منہ میں ڈالتے ہوئے وہ گویا ہوئیں۔ وہ مرا ہے بنانا نہ سکا۔ تغیر خاموشی سے لچک کرنے لگی۔

”جی ہاں! تغیر نے بنایا ہے۔“ وہی بوٹی منہ میں ڈالتے ہوئے وہ گویا ہوئیں۔ وہ مرا ہے بنانا نہ سکا۔ تغیر خاموشی سے لچک کرنے لگی۔

”جی ہاں! تغیر نے بنایا ہے۔“ وہی بوٹی منہ میں ڈالتے ہوئے وہ گویا ہوئیں۔ وہ مرا ہے بنانا نہ سکا۔ تغیر خاموشی سے لچک کرنے لگی۔

”جی ہاں! تغیر نے بنایا ہے۔“ وہی بوٹی منہ میں ڈالتے ہوئے وہ گویا ہوئیں۔ وہ مرا ہے بنانا نہ سکا۔ تغیر خاموشی سے لچک کرنے لگی۔

”جی ہاں! تغیر نے بنایا ہے۔“ وہی بوٹی منہ میں ڈالتے ہوئے وہ گویا ہوئیں۔ وہ مرا ہے بنانا نہ سکا۔ تغیر خاموشی سے لچک کرنے لگی۔

”جی ہاں! تغیر نے بنایا ہے۔“ وہی بوٹی منہ میں ڈالتے ہوئے وہ گویا ہوئیں۔ وہ مرا ہے بنانا نہ سکا۔ تغیر خاموشی سے لچک کرنے لگی۔

”جی ہاں! تغیر نے بنایا ہے۔“ وہی بوٹی منہ میں ڈالتے ہوئے وہ گویا ہوئیں۔ وہ مرا ہے بنانا نہ سکا۔ تغیر خاموشی سے لچک کرنے لگی۔

پڑی تو اس وقت تم مجھے اپنے ہمراہ ضرور پاؤ گی انشاء اللہ۔“ وہ بخیر سے دیکھتے ہوئے دل میں سوچ کر رہ گیا اور اسے سوالات سمجھانے لگا۔

☆.....☆

انوری نیلم کاروڑ کا بھی معمول تھا ابو کے انتقال کے بعد تو وہ اکثر رات میں بھی گھر نہیں آتی تھیں۔ چچی جان اس کے روم میں آ کر سو جاتیں اور وہ دیر رات تک پڑھتی رہتی۔ اکثر ابویا آ جاتے تو بڑھائی میں بھی دل نہ لگتا۔ انوری نیلم کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا بس انہیں گھر صاف تھرا اور کھانا پکا ہوا ملنا چاہیے تھا۔ وہ گھر کے تمام کام دل لگا کر کرتی تھی۔

”کئی کے نہ ہونے سے بہت کچھ بدل جاتا ہے مگر سب کچھ نہیں بدلتا۔“ وہ یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔ لچک کے بعد وہ عاطر سے پڑھتی تھی اس کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔

”پوسوں سے میرے پیچھے نہیں۔ امی تو گھر میں ہوتی ہی نہیں ہیں اس بار آسانی رہے گی۔“ کاپی پر نظریں مرکوز کیے وہ کہنے لگی۔ عاطر کی ٹوٹ کر رہا تھا کہ وہ اب عاطر بھائی کی رٹ نہیں لگاتی تھی بلکہ اس کا نام لینے سے ہی گریز کرتی تھی۔

”ہوں انٹیک ہے میں یونیورسٹی سے آ کر تمہیں پک کر لوں گا۔“ چچر جیس کالج چھوڑ کر میڈیکل چلا جاؤں گا۔“ وہ کتابیں اسے تھمتے ہوئے کہنے لگا۔

”ہاں ٹیک ہے ویسے اس بار میری تیاری اچھی ہو گئی ہے۔“ وہ اسے بتاتے لگی۔

”لگاؤ! یہ دیر رات تک پڑھنے کا نتیجہ ہے۔ پارٹ ون کی طرح پارٹ ٹو میں بھی مجھے تم سے فرسٹ ڈویژن کی امید ہے۔“ عاطر کی نے اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔

”انشاء اللہ آپ کی محنت دیکھا نہیں جائے گی۔“ وہ اس کی آنکھوں میں آٹھیں ڈالے مطمئن انداز میں مسکرا دی۔ عاطر کی نے ایک مے سے بعد اسے یوں مسکراتا ہوا دیکھا تھا۔

چارہ پیچہ تو خیریت سے گزر گئے تھے پانچویں پیچہ میں عاطر کی پھوپھو کی طبیعت بے حد خراب ہو گئی تھی۔ وہ ہاسپتال میں ایڈمٹ تھیں۔ دو دن ہاسپتال میں گزار کر وہ آ چکی تھیں۔ طبیعت اب بھی بہتر نہ تھی جب ہی انہوں نے چچی جان کو روک لیا تھا۔ انہیں تنہائی سے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ عاطر بھی پھوپھو کے گھر ہی رکھا ہوا تھا۔ انوری نیلم گھر میں کئی ہی نہیں تھیں اسی لیے چچی جان نے اسے بھی پھوپھو کے گھر روک لیا تھا پھوپھو کی

دونوں بیٹیاں شہر سے باہر تھیں۔ چچی جان اور عاطر ان کا بے حد خیال رکھ رہے تھے۔ عاطر کی نے کہہ دیا تھا وہ دونوں پیچہ میں اسے پک کر لے گا۔ وہ یقین ہو کر آئی کی روشنی اب بھی وہی تھی وہ اس سے بہت غم ہی غماظ ہونے لگی تھیں۔ وہ تنہا گھر میں بھرتی رہتی تھی اسے اکیلے پن سے وحشت ہونے لگی تھی نانی امی جھپٹا کی مرید تھیں اور آج کل وہ بالکل مضطرب ہو چکی تھیں۔ پانچویں پیچہ میں وعدے کے مطابق پیچہ سے ایک کھنڈہ کل

عی عاطر نے پک کر لیا تھا۔ پیچہ بے حد اچھا ہوا تھا۔ وہ باہر کھڑے ہو کر عاطر کی کا انتظار کرنے لگی۔ عاطر کی اب تک نہیں آیا تھا وہ پریشان ہو آئی۔ تمام لڑکیاں بھی جانے لگیں تھیں۔ سڑک پر لڑکے کرکٹ کھیل رہے تھے اور وہ کانٹا خالی ہونے کی وجہ سے بے حد پریشان ہو رہی تھی۔ آنکھیں بے اختیار جھپک رہی تھیں رونے کی وجہ سے سامنے کا منظر دھندلا رہا تھا۔

”تغیر رو کیوں رہو؟ کوئی پراہم ہو گئی ہے؟“ عاطر اس کے پیروں کے پاس آ کر انتظار کرنے لگا۔

”آپ کہاں تھے؟ میں آپ کا کب سے انتظار کر رہی ہوں۔“ وہ شوشے آنکھیں صاف کرنے لگی۔
 ”نڑھیک بے حد زیادہ مٹی جب ہی آنے میں دیر ہوئی اب روٹا بند کرو پلیز وعدہ لاسٹ بھیجے میں وقت سے
 پہلے آ جاؤں گا۔“ وہ اسے سمجھا کر بائیک اسٹارٹ کرنے لگا۔ آج اسے اس قدر پریشان ہوتا دیکھ کر اسے ابھی
 خاصی حسرت ہوئی تھی۔ اسے اندازہ تو ہو گیا تھا۔ ”آگ برابر لگی ہوئی ہے یہ یک طرفہ نہیں دوطرفہ محبت ہے۔“ وہ
 مسکراتے لگا۔
 ”لچ کر لینا۔“ تاکہ کپڑے کے وہ اسے گھر چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ اسے جانتا دیکھنے لگی۔ آج اسے عاطرزی سے بے
 پناہ اپنائیت محسوس ہو رہی تھی۔

☆.....☆

”سن لو کی ذرا چل میرے ساتھ پانی کے گھر۔“ وہ برتن دھو رہی تھی اور یاد کیسے سوالوں کو دہرا رہی تھی جب
 انوری بیگم کہنے لگیں آج اس کا آخری ہیپہ تھا۔
 ”ای امیر سے سر میں بے حد درد ہو رہا ہے میں نانی امی کے پاس کل چلوں گی آج آپ ہوا آئیں۔“ وہ دھو رہے
 ہوئے برتن صلیف میں رکھتے ہوئے گویا ہوئی۔
 ”اچھا ٹھیک ہے۔“ انوری بیگم کے دل میں کلکا سا ہوا۔ وہ یہ کہہ کر چادر اوڑھنے لگیں۔ پورے راستے وہ
 سوچتی رہیں کہ آخر کیا وجہ ہے جو خیر نے انکار کر دیا۔ اس کے بدلے اندازہ طور تو وہ پہلے ہی سے ملاحظہ کر رہی تھیں وہ
 اسکا کیا وجہ ہے جو آج خیر نے انکار کر دیا۔ اس کے بدلے اندازہ طور تو وہ پہلے ہی سے ملاحظہ کر رہی تھیں وہ
 پورے راستے سوچنے میں مگن تھیں جبکہ خیر تو لیے سے ہاتھ خلک کرتی اللہ کا شکر ادا کرنے لگی کہ امی نے اسے آج
 منع کرنے کے باوجود ڈانٹا یا مارا نہیں۔ وہ خود کو پہلے ہی پٹائی کے لیے تیار کر چکی تھی۔
 عاطرزی اسے پک کرنے آچکا تھا۔ وہ بیک لیے جلدی سے آئی۔
 ”آج میرا بزنس منجمنٹ کا بھیجے ہو یا بھیجے گا کہ پیچھے بے حد چھاپا ہو۔“ وہ ہنسنے ہوئے کہنے لگی۔
 ”انٹرٹیننگ سبجیکٹ ہے تم بے فکر ہو انشا اللہ پیچھے اچھا ہی ہوگا۔“ وہ بائیک سڑک پر دوڑاتے ہوئے کہنے لگا۔
 وہ اسے کالج میں ڈراپ کر کے چاچا کا تھا۔

اس کا بھیجے بے حد اچھا ہوا تھا۔ عاطرزی کا guess بالکل ٹھیک ہوا کرتا تھا۔ وہ بے حد خوش تھی۔ کالج کے
 گیٹ سے نکلنے ہی عاطرزی بائیک کے پاس پاپ کورن تھا۔ نظر آیا۔
 ”آج میرا پیچھے بے حد اچھا ہوا۔“ وہ سرور ہوتے ہوئے کہنے لگی۔
 ”ہوں آج تو بہت اچھی بات ہے مجھے اندازہ تو تھا پیچھے لا شیا اچھا ہی ہوگا۔ عصر کی نماز میں میں نے دعا بھی کی
 تھی۔“ وہ پاپ کورن اسے تھماتے ہوئے گویا ہوا۔

”آپ بے حد اچھے ہیں۔ آپ نے میرے لیے اتنا کیا شاید ہی اپنا بھی نہ کرے جتنا آپ نے میرے لیے
 کیا ہے۔ میں آپ کی بے انتہا مشکور ہوں۔“ وہ اسے بنو رو کیسے کی جو بلیو جینز، بلیو اینڈ وائٹ پر جھٹ شرت اور
 وائٹ جیکٹ پہنے بے حد چارمنگ لگ رہا تھا۔
 ”اوہ باب شرمندہ تو نہ کرو۔“ وہ بائیک اسٹارٹ کرنے لگا اور وہ دل سے دعا کرنے لگی کہ عاطرزی کے ہمراہ

یہ سفر آخری نہ ہو۔

ابو کی کہی بات اب تک اس کے ذہن میں تھی اور وہ اب کا انتخاب بھی ہے کہ عاطرزی سے اور زیادہ اچھا لگنے لگا

تھا۔ عاطرزی بلا شیا اچھا لگنے کے لائق تھا۔ چچی جان نے اس کی تربیت ہی اس انداز کی تھی وہ دونوں ماں بیٹے ہر
 ایک سے بے لوث محبت کرنے کے عادی تھے۔ وہ عاطرزی کی عمر اسی کے لیے دعا گو تھی اس کے ہمراہ زندگی بے
 انتہا سہل اور معصوم ہوتی تھی۔
 ”خیر مجھے یاد دلانا گھر سے ماما کا چشمہ لینا ہے ماما لینا بھول گئی تھیں۔ انہیں رسالے پڑھنے میں بے حد
 دشواری ہو رہی ہے۔“ وہ سوچوں کے گرداب میں پھنسی ہوئی تھی جب عاطرزی کی آواز اس کی سماعتوں سے
 ٹکرائی تھی۔

”مٹی اچھا! بائیک رکھ دی تھی۔ سڑک پر نڑھیک بے حد زیادہ تھی۔ وہ اتنا ہی کہہ سکی پھر دوبارہ اس کا ذہن ادھر
 ادھر ہو گیا تھا۔ کب گھر آیا اسے خبر نہ ہوئی۔

”اپنا دھیان رکھنا۔“ اس کو تاکہ کر کے وہ بائیک موڑ چکا تھا اور وہ حسرت سے اسے جانتا دیکھنے لگی۔ عاطر
 کے چلے جانے سے دل میں عجیب سی غش نے سر اُبھارا تھا وہ مضطرب سی دروازہ کھولے گھر میں داخل ہوئی۔
 تالا کھلا ہوا تھا۔ دیکھ کر اس کا دل بند ہونے لگا۔ وہ ڈرتے ڈرتے گھر میں داخل ہوئی جب ہی اس کی نگاہ امی پر
 پڑی جو بچن میں کھڑی تھیں ہاتھوں سے اسے گھورتے ہوئے آگے بڑھی تھیں۔ وہ پچھلی پچھلی آنکھوں سے انہیں
 دیکھنے لگی۔

”آئی امی اپنے عاشق کے ساتھ۔“ وہ اسے خشمکین لگا ہوں سے گھورتی اول فول کہنے لگیں۔

”امی! آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“ اس نے ہامشکل بھلا دیا کیا تھا۔

”مخ کیا تھا ان کو تو آگے نہیں پڑھنا۔ تو میرے ٹاک کے نیچے رنگ رلیاں منانے سے باز نہیں آئی۔“ وہ
 بھوک شیری کی طرح اس پر بھیڑ پڑیں۔ اس کے ریشمی بالوں کو نہایت مضبوطی سے انہوں نے اپنی گرفت میں
 لے رکھا تھا اور مسلسل اسے مار رہی تھیں۔ وہ اس کے ساتھ چلا دوں جیسے سلوک کر رہی تھیں اس کے ہونٹوں سے
 خون رس رہا تھا۔ وہ دوبارہ اس کا سر کھانے لگیں۔ اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ ان سے اپنا آپ چھڑا پائی۔
 کچھ دھڑکا کہ عاطرزی کو یاد آیا کہ وہ ماما کا چشمہ لینا ہی بھول گیا۔ وہ دوبارہ گھر کی جانب بڑھا تھا۔ دروازہ

کھلا ہوا تھا۔ وہ دروازے میں کھلی سے دستک دے کر گھر میں داخل ہو چکا تھا۔ اندر کا منظر دیکھ کر اس کے اوسان
 ہلا ہو گئے تھے۔ انوری بیگم اس کا گلا دبا رہی تھیں۔ ایک پل کو اس کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا اس بحال کرتے
 تو رات آگے بڑھا تھا۔

”کیا جمالیات کر رہی ہیں آپ؟ چھوڑیں آپ خیر کو۔“ وہ غم و غصہ کی کیفیت میں تھا۔

”آگیا عاشق، مٹی کی مار پر مجھے چٹ لگی جو پول کے جن کی طرح حاضر ہو گیا۔“ وہ فضولیات کہنے لگیں۔

”خالہ چھوڑیں اسے ورنہ بہت برا ہو جائے گا۔“ ان کی فضول نکالوں کو نظر انداز کیے وہ پچھلے ہوئے شیری
 رات آگے بڑھا تھا۔ محلے کے لوگ بھی متح ہو گئے تھے۔ خیر ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکی تھی۔ محلے کی عورتوں
 انوری بیگم کو پکڑ لیا تھا۔ محلے والوں کے ہمراہ عاطرزی خیر کو ہاتھ پٹل لے آیا تھا۔ اس کا حال بے حد برا ہو رہا
 تھا۔ چچی جان مسلسل روئے جاری تھیں۔ آئی سی یو میں دیکھنے گزارنے کے بعد خیر کو وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا

چچی جان بے حد مطمئن محسوس کر رہی تھیں جبکہ عاطرزی بھی جان میں جان آگئی تھی۔ وہ خیر کو دوبارہ اس
 میں پھینکے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اعلیٰ علم کو معلوم تھا کہ انوری بیگم خیر کے ساتھ کیسا سلوک کرتی تھیں۔ اسی

وقت اگل آفاق (محلے دار) نے کہا تھا۔ ”جیہا اتم اس بچی سے نکاح کر لو رضا صاحب کی بھی یہی خواہش تھی۔ انہوں نے ایک مرتبہ مجھ سے ذکر کیا تھا۔ ورنہ اس کی ماں اس کی جان لے لے گی۔ آج بھی تم اگر بروقت نہ پہنچے تو نہ جانے کیا ہو جاتا۔“

شہد محلے والوں نے کہا تھا اور چچی جان کی بھی یہی دیرینہ خواہش تھی مگر اس طرح وہ شادی کر نہیں جاتی تھیں۔ عاطرزکی کو دو لہا بہتے دیکھے انہوں نے تصور میں بے شمار مرتبہ دیکھا تھا مگر وہ لیس بڑے سیکانے پر کرنے کا ارادہ نہ کرتی تھیں۔

یوں بڑوں کی رضا مندی سے ان دونوں کا نکاح کروادیا گیا تھا۔ وہ بے حد روروی تھی۔ امی نے اسے بے حد دل برداشتہ کر دیا تھا۔ چچی جان مسلسل اسے سبھاری تھیں جبکہ اس کا سامنا کرنے میں بے حد چٹکاٹ ہو رہی تھی۔ اسی وقت امی ہاسپٹل آ گئیں۔

”آپا تمہیں پتا تھا اور تم نے مجھے بے خبر کر رکھا اور ان دونوں کے کھیل میں شریک ہو نہیں۔“ وہ چچی جان کو کہنے لگیں۔

”رضا بھائی سے میں نے اپنی تفسیر کا ہاتھ مالکا تھا اور وہ خوشی راضی تھے اور انہوں نے ہی مجھے جہیز بتانے سے منع کیا تھا۔“ چچی جان نے محل سے جواب دیا تھا۔

”بس بس مجھے مفاہی پیش نہ کریں۔“ وہ ہاتھ اٹھاتے کہنے لگیں۔

”ویسے آپ کس کھیل کی بات کر رہی ہیں ہم نے کونسا کھیل چلایا ہے؟ آپ اسی وقت یہاں سے چلی جائیں تو بہتر ہے۔“ وہ جوڈو سنسری سے دوا لے کر آیا تھا انوری نیگم کو وارڈ میں ایسا وہ دیکھ کر اس کے اعصاب تن گئے تھے وہ انہیں تنبیہ کیے بغیر نہ رہ سکا۔ نکاح کے بعد چچی جان اس نے تفسیر کو دیکھا تھا جو چچی جان کے کانٹے سے لگی ہوئی تھی۔

”میں تفسیر کو لینے آئی ہوں۔“ وہ چچی جان سے الگ کرتے گویا ہوئیں۔

”کس حق سے؟“ وہ انہیں گھورتے ہوئے گویا ہوئیں۔

”بیٹی یہ میری۔“ وہ کہنے لگیں۔

”یہ آپ کی بیٹی نہیں چچی امی نہیں ماں کے حقوق سے واقف بھی ہیں آپ یا نہیں؟ اب یہ میری بیوی ہے اب آپ جاسکتی ہیں اور آئندہ آنے کی زحمت نہ کیجئے گا۔“ وہ بیوی پر زور دے کر گویا ہوا۔ وارڈ انچارج انوری نیگم کو منسلک جانے کے لیے کہہ رہے تھے وہ فقط بیوی بن کر ہکا بکار ہو گئیں۔

”اگر آپ نہیں کہیں تو میں پولیس بلوالوں گا۔ کیونکہ یہ پولیس کیس تھا۔“ وہ غضبناک لہجے میں کہنے لگا۔ وہ فائدہ پولیس سن کر وہاں سے جانے میں عافیت سمجھنے لگیں۔

”آپا جو کام آپ کو کرنا چاہیے تھا وہ کام ہم نے کر دیا۔ آپ کی بیٹی کا نکاح ایک معزز اور شریف گھرانے سے کر دیا۔“ آفاق صاحب کے یہ کہنے کی دیر چھی انوری نیگم نے تھوڑی بھری نظروں سے ہر ایک کو دیکھا تھا اور پاؤں پٹختی جا چکی تھیں جبکہ تفسیر کے آسوس کے رخساروں پر پھیل رہے تھے۔

☆.....☆

وہ بے حد شرب تھی۔ وہ لوگ عاطرزکی کے نئے ظہور میں رہ رہے تھے۔ انوری نیگم نے خود ہی وہ کمرہ دیا تھا اور تانی کے گھر شفٹ ہو گئیں تھیں۔ عاطرزکی نے وہ کمرہ چھ دیا تھا۔ وہ گھر مسمی رہنے لگی تھی چچی جان

عاطرز کی حد پریشان تھے وہ اسے اس صدمے سے نکالنے کی ننگ دودھ میں تھے۔ چچی جان نے چاروں بھائیوں سے فکشن ارنج کیا تھا۔ وہ چاہتے بناتے میں کتنی بھی جب ہی عاطرزکی نے اسے شانوں سے تھام لیا۔

”کیا کر رہی ہو؟“ عاطرزکی نے بے حد محبت سے استفسار کیا تھا۔

”چاہتے بن رہی ہوں آپ اور چچی جان تو مجھے کوئی کام کرنے ہی نہیں دیتے۔“ وہ چائنگ میں اڑھتی نکلی سے کہنے لگی۔

”سب کر لیتا ان حال مجھے زبردستی چاہے پاؤ۔“ وہ یہ کہتے ہوئے کچن میں رکھی ڈائننگ کی کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے کہنے لگا۔ تفسیر بھی چائے لے لے ڈائننگ کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

”تفسیر اتنی اداس کیوں رہتی ہو خوش رہا کرو۔“ عاطرزکی نے اس کی کٹائی تھی۔

”میں خوش تو رہتی ہوں۔“ وہ چائے کے سب لیتے ہوئے کہنے لگی۔

”مجھے تو ایسا نہیں لگتا۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں واقعی بے تحاشہ خوش ہوں۔ بس کچھ اینٹوں کا دکھ ہے جسے یاد کر کے میں اداس ہو جاتی ہوں۔“ وہ بے حد ضبط کر رہی تھی پھر بھی آنسو پگھلوں کی پاؤں پھلانگ کر رخسار پر نقش و نگار بنا رہے تھے۔

”تفسیر! روؤ نہیں! کبھی کبھی ہم جس سے توقع کرتے ہیں وہاں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور اس جگہ سے ہمیں وہ چیز ملتی ہے جہاں سے ہمیں امید ہی نہیں ہوتی۔ جو دل کو سخت چوٹ پہنچائے وہ اکثر اپنے ہی ہوتے ہیں۔ کیونکہ غیر نہیں جانتے کہ دل کو تکلیف کس بات سے ہوتی ہے۔“ عاطرزکی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ جیسے نفوس کا باری رحمت والی یہ لڑکی اسے بے حد عزیز تھی۔

☆.....☆

آج ان کا دلیر تھا۔ چچی جان نے اپنے طور پر ایسے غامضے بڑے سیکانے پر اپنی بساط سے بڑھ کر ویسے کا فکشن ارنج کیا تھا۔ تمام انتظامات عاطرزکی نے خود کیے تھے۔ وہ بے حد تھک گیا تھا۔ صبح کی باوجود بھی بلیک کوٹ پیٹ ڈارک پر بلیک ٹرٹ اور کوٹ کی ٹرٹ کی پاکٹ میں شاٹنگ پنک روز ڈالوہ پاتا تھا جو بلیک رہا تھا جبکہ تفسیر رضا ڈارک پر بلیک اور شاٹنگ پنک شرارہ پہنے۔ چیلری چوڑیوں سمیت بے حد حسین لگ رہی تھی۔

عاطرزکی کی تو نگاہیں جی نہیں ہٹ رہی تھیں اس نے چچی جان سے استفسار کیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے برابر میں بیٹھے بے حد ایسے لگ رہے تھے چچی جان نے بے ساختہ ان کی جوڑی کی نظر اتاری تھی۔ اعلیٰ عکس کو بھی مدعو کیا گیا تھا جبکہ انوری نیگم نے ویسے میں آنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ سب ان کی جوڑی کو براہ رہے تھے۔ عاطرزکی بار بار اسے دیکھ رہا تھا اس کی نظریں اسے پرل کر رہی تھیں۔

”بے حد چماری لگ رہی ہو۔“ اس نے آہستگی سے کہا تھا۔ تفسیر کی مسکان نے بے ساختہ اس کے لبوں کا احاطہ کیا تھا۔

”آپ بھی ایسے لگ رہے ہیں۔“ وہ کہنے لگی جبکہ اب مسکرانے کی باری عاطرزکی کی تھی۔ وہ خود کو بے حد مطمئن محسوس کر رہا تھا۔ فکشن ارنج کی تفسیر اسے اپنے دل کے بے حد قریب لگی تھی۔ تمام مہمان چائے تھے تمام مہمانوں کو زحمت کر کے ان لوگوں نے بھی گھر کا رنج کیا تھا۔

کمرہ بے حد خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ لائٹ پنک کمرے کے سرخ گلاب کی ادھ کھلی کلیوں سے سجایا گیا تھا۔ برسر سرخ گلاب کی تھک چھائی ہوئی تھی جہاز کی ساڑھی بڑے گول مسوری سے سجایا گیا تھا۔ بیڈ کے چاروں طرف

سرخ گلاب اور موسیٰ کی لڑیاں نہایت نفاست سے آراستہ کی گئی تھیں۔ بیڈ کے درمیان میں بیٹھ کر خیر رضا ماحول کی خوبصورتی کو آنکھوں میں جذب کر رہی تھی جب ہی دروازہ ٹاک ہوا تھا اس کا سر مزید جھک گیا تھا۔
 ”السلام علیکم؟“ قدموں کی چاپ کے ساتھ ہی عطر زکی کی آواز اس کی سماعتوں سے نکل رہی تھی۔
 ”وعلیکم السلام۔“ وہ اتنا ہی کہہ سکی۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔ جیسے اس کا سر مزید جھک گیا تھا۔ وہ بیڈ پر اس کے برابر میں براجمان ہو چکا تھا اور بنورا سے دیکھنے لگا۔

”خوابوں خیاالوں میں تمہیں اپنے لیے سجاد کیا ہے۔ آج میرے خوابوں کی تعبیر مل گئی ہے۔
 اس کی مہندی اور چڑیوں سے میری کلائی تمام کر سلور گولڈ کے ٹکٹن ڈالے وہ کہہ رہا تھا۔
 ”خیر تم خوش ہو؟“ اس کی شوڑی کو اپنی شہادت کی انگلی سے اٹھا لے اس کی نیلی آنکھوں میں جھانکتے عطر زکی نے بے حد اس سے پوچھا تھا۔
 ”جی!“ اس نے اتنا ہی کہا تھا۔ اس کی کالی بنورا آنکھوں میں اپنے لیے بے شمار محبت کی پلکیں دیکھ کر اس کا حوصلہ جواب دینے لگا تھا۔

”مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے؟“ وہ نظریں جھکائے کہنے لگی۔
 ”پوچھو!“ وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
 ”عطر! آپ نے میرے اپنے سے بڑھ کر میرے لیے کیا کیا؟“ آنکھوں سے سیل رواں تھے، ہنسی کا عطر! آپ نے عطر زکی کے دل کو چھوڑ ڈالا تھا۔ وہ انگلیوں سے اس کے آنسو پھینکے۔
 ”تم نہیں رونا میری جان۔ رشتے خون کے نہیں احساس کے ہوتے ہیں۔ تمہارے ساتھ میرا احساس کا رشتہ ہے۔ میری ہمدردی کب محبت میں بدلی مجھے احساس نہیں ہوا۔ میں خود اپنی اس تبدیلی پر برسوں سے حیران ہوں۔ اب تم رونا نہیں۔“ وہ شدت جذبات سے اپنے مضبوط ہاتھوں میں اس کا ہاتھ تھامے کویا ہوا۔
 ”کہاں کہیں؟“ عطر زکی نے اسے ارد گرد سے بے نیاز ہوتے دیکھ کر کہا تھا۔
 ”کہیں بھی نہیں۔“ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگی۔
 ”عطر! آپ مجھے بے حد اچھے لگتے ہیں۔ آپ کے زندگی میں آ جانے سے زندگی سہل ہو گئی ہے۔“ وہ مسرور ہو کر بتانے لگی۔

”زلزل آنے سے پہلے ہی M.com کی تیاری شروع کرو۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے تمام پیچہ کلکس ہوں گے۔“ وہ محبت سے اس کے ہاتھ تھامے کہہ رہا تھا۔
 ”کیا واقعی؟“ وہ خیر لگا ہوں سے اسے دیکھتے ہوئے استفسار کرنے لگی۔

”جی میری زندگی۔“ اس نے اسے خود سے قریب کیا تھا۔
 ”آپ مجھے بے حد بے انتہا بے تمنا شاہی لگتے ہیں۔“ وہ اس کے شانے پر سر رکھے دل کی بات کہہ رہی تھی۔
 ”تم سچی مجھے بے طرح اچھی لگتی ہو۔“ اس نے نہایت محبت سے اس کے بال سنواریے تھے۔ عمر بھر اسے خوش رکھنے کا عہد کر اس کی کتنی چٹائی پر اپنی محبت کی مہر ثبت کی تھی۔ خیر رضا نے نہایت عقیدت سے اپنے ہمسر کو دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے وادگی دیکھ کر وہ جینپ گئی تھی۔ وہ مطمئن تھی کہ عطر زکی کی ہر اسی میں زندگی نہایت پر مسرت اور خوب صورت ہوگی۔

☆

القریش پبلی کیشنز کے نئے ناول شائع ہو گئے ہیں

اب کر میری رفوگری

مصنفہ: سائرہ رضا

قیمت: 600/- روپے

رگ جاں جو قریب تھے

مصنفہ: صالحہ محمود

قیمت: 600/- روپے

دل کی دہلیز پر

مصنفہ: اشتیاق فاطمہ

قیمت: 600/- روپے

میرے ہم نوا کو خبر کرو

مصنفہ: فاخرہ گل

قیمت: 600/- روپے

زندگی کی حسین راہ گزر

مصنفہ: سمیرا شریف طور

قیمت: 400/- روپے

وہ اک لمحہ محبت

مصنفہ: سمیرا شریف طور

قیمت: 400/- روپے

دیروں

مصنفہ: نبیلہ عزیز

قیمت: 900/- روپے

زرد پتوں کا شجر

مصنفہ: نایاب جیلانی

قیمت: 400/- روپے

القریش پبلی کیشنز

سرکٹر روڈ، چوک اردو بازار لاہور
 فون: 37652546 - 042-37668958